اسلام میں آئین سازی کے بنیادی اصول

محمد یوسف گورایہ

گورایہ صاحب کا ایک مضمون ''اسلام میں قانون سازی کے بنیادی اصول،، فروری ۷۲ع کے فکر و نظر میں شائع ہوا تھا ۔ اس مضمون سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلا مضمون دوبارہ پڑھ لیا جائے ۔ (ادارہ)

اسلام میں سب سے پہلا آئین آنحضرت صلعم نے اس وقت دیا جب آپ مکہ سے ھجرت کرکے مدینہ تشریف لائے ۔ یہ آئین سینتالیس دفعات پر مشتمل ھے ۔ ذیل میں اسکا خلاصہ درج کیا جاتا ھے:- یہ معاھدہ محمد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نگرانی میں مندرجہ ذیل طبقات و قبائل کے درمیان طے پایا :

مہاجر، مسلمانان قریش مکہ اور انصار ، مسلمانان یثرب ، اور ان دونوں کے ساتھ جو طبقات و گروہ ملحق ھیں یہ سب ایک امت ھیں ۔

مہاجرین قریش ، خود آپس میں اور دوسروں کو دیت یا خون بہا اپنے معروف رواج کے مطابق ادا کرنے کے ذمہ دار ھیں ، اھل مدینہ میں بنوعوف بنو حارث ، بنو ساعدہ ، بنو جشم ، بنونجار ، بنو عمرو بن عوف ، بنو النبیت ، بنو اوس

کےحقوق کا وهی لحاظ هوگا جو ان میں پہلے سے رائج ہے۔ اس کے مطابق انہیں دیت اور خون بہا لینے اور ادا کرنے کی پابندی کرنا هوگی۔

مسلمان دیت کی ادائیگی سے فرار کا راستہ نکالنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

اگر کوئی مسلمان کسی شخص پر زیادتی کرے یا مسلمانوں میں ظلم و فساد پیدا کرے تو سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ ایسے شخص کو سزا دیں۔ خواہ ایسا شخص ان میں سے کسی کا فرزند هی کیوں نہ هو۔ مسلمان کافر کی طرف داری میں مسلمان کو قتل نہیں کرے گا اور نہ مسلمان کے خلاف کسی کافر کی حمایت کرے گا۔

خدا کا ذمہ سب کے لئے مساوی ہے۔ سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے مددگار هیں۔ یہودیوں میں سے جو همارے معاهده کی پابندی کریں هماری نصرت اور یاوری ان کے لئے بھی ہے۔ ان کے دشمن کی مدد نہیں کی جائے گی۔ معاهده صلح کرنے میں سب مسلمان برابر هیں۔ لیکن کوئی مسلمان عدل و انصاف کے سوا صلح نہیں کرسکتا۔

غیر مسلموں کا هر دستہ جو همارے ساتھ شریک جہاد هوگا وہ نوبت بہ نوبت مورچہ پر آئے گا۔

مسلمان کفار سے بدلہ لینے کے لئے جہاد میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

مشرکین مدینہ میں سے جو لوگ معاهده میں شریک هیں ان میں سے کوئی شخص قریش کے جان و مال کو پناہ نہیں دیگا اور نہ هی مسلمان کے مقابلہ میں انکی مدد کرے گا۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو بغیر شہادت قتل کردیگا تو اس سے قصاص لیا جائے گا ماسوائے اس صورت کے کہ مقتول کا وارث دیت لینے پر رضامند هو جائے۔ تمام مسلمان اس معاهده کے پابند هیں۔ انکے لئے سوائے اسکے چارہ نہیں کہ وہ اسے نافذ کریں۔ جس مسلمان نے اس

معاہدہ کا اقرار کرلیا اور وہ خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسکے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مجرم کی مدد کرے یا اسے پناہ دے ۔ اور جو کوئی اس کی مدد کرے گا ، اس کو پناہ دیگا اس پر قیامت کے روز اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہوگا ۔ اور قیامت کے روز اس جرم کے عوض اس سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائیگا ۔

مسلمان اپنے باہمی اختلافات میں خدا اور اسکے رسول کی طرف رجوع کرنے کے پابند ہیں ۔ دوران جنگ یہودی مسلمانوں کے ساتھ اخراجات جنگ برداشت کرنے کے پابند ہیں ۔ یہود بنی عوف ، مسلمانوں کے ساتھ وفاقی یونٹ ہیں ۔ اگرچہ یہود اپنے دین پر قائم رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر ۔ ان میں سے جو کوئی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا وہ اپنی ذات اور اپنے گھر بار کے نقصان کا خود ذمہ دار ہوگا ۔ یہودیوں کے یہ قبائل بنوعوف کی طرح اس معاہدے کے پابند ہیں : بنو نجار ، بنو حارث ، بنو ساعدہ ، بنو جشم ، بنو اوس ، بنو ثعلبہ ، بنو جفنہ ، بنو شطیبہ ۔

اس معاہدہ میں سے کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر مستثنی قرار نہیں دیا جائیگا ۔

زخم کا بدلہ لیا جائیگا ۔ جو کسی کو قتل کریگا اس کی ذمہ‌داری خود اس پر اور اس کے ورثا پر ہوگی ، بجز مظلوم کے ۔ اللہ تعالیٰ اس معاہدہ پر بحسن و خوبی قائم رہنے والے پر نگہبان ہوگا ۔

لشکر کشی کی صورت میں یہود اپنے اخراجات برداشت کریں گے اور مسلمان اپنے اخراجات برداشت کرینگے ۔ شرکائے معاہدہ حملہ کی صورت میں حملہ آور کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کی بھلائی اور کھلے دل سے بغیر کسی کوتاہی کے ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے ۔

کوئی شخص اپنے حلیف کے بارے میں مدد کرنے میں کوتاھی نہیں کریگا اور مدد بہر حال مظلوم کے لئے ھوگی۔

یثرب کی حدود کے اندر کا پورا علاقہ اھل معاھدہ کے لئے حرم کی حیثیت رکھتا ھے ۔ پڑوسی یا پناہ میں آنے والا خود معاھدے میں شریک ھونے والے کی طرح ھوگا۔ شرکاءٔ معاھدہ میں اگر کوئی نیا مسئلہ ھوگا یا کوئی اختلاف ھوگا جس سے فساد کا خطرہ ھو تو اس کے لئے اللہ اور محمد رسول اللہ صلعم کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

نہ تو قریش اور نہ انکے حمایتیوں کو پناہ دی جائیگی۔ یثرب پر حملہ آور کے خلاف سب ایک دوسرے کی مدد کریں گے ۔

اس آئین کی رو سے آنحضرت صلعم بحیثیت سربراہ مملکت تسلیم کئے گئے ھیں۔ مہاجرین ، انصار اور یہود تین بڑے وفاق یونٹوں کی حیثیت سے ریاست مدینہ میں شریک ھیں ۔ مستقبل میں شریک ھونے والوں کے لئے گنجائش رکھی گئی ھے ۔ وفاق یونٹوں کو اپنے اپنے دین و مذھب پر قائم رھنے کی مکمل آزادی دی گئی ھے ۔ مسلمانوں کے مختلف طبقات و قبائل کو فوجداری معاملات وغیرہ طے کرنے کے لئے اپنے اپنے متعلقہ قبائلی رواج پر عمل پیرا رھنے کا حق دیا گیا ھے ۔ وفاق مقننہ ، عدلیہ اور انتظامیہ کو انتہائی موثر اور مضبوط انداز میں مرکز کا حق تسلیم کیا گیا ھے ۔ بین الطبقاتی و قبائلی معاملات کے تصفیہ کے سلسلہ میں آنحضرت صلعم کو منصف اعلیٰ کی حیثیت سے مانا گیا ھے ۔ تمام دفاعی امور کی سپریم کمان مرکز کو دی گئی ھے ۔ وفاق یونٹوں میں سے کسی ایک پر حملہ سب پر حملہ تصور کیا گیا ھے ۔ اور بیرونی خطرات کی صورت میں وفاق یونٹ ایک دوسرے کی مدد کرنے اور دفاعی ضروریات کو پورا کرنے میں برابر کے ذمہ دار قرار پائے ھیں ۔

اس آئین کا پہلا مسودہ کس نے تیار کیا ؟ اس پر کب تک بحث جاری

رھی ؟ اور بحث میں کس نے سرگرم حصہ لیا ؟ تاریخ نے ان سوالات کی تفصیل محفوظ نہیں رکھی ۔ قرآن اور سیرت کی کتب اتنا بتاتی ھیں کہ اس آئین کے نفاذ کے وقت ریاست مدینہ مختلف عرب قبائل و طبقات پر مشتمل تھی ۔ ان کے ادیان و مذاھب جدا جدا تھے ۔ انکی ثقافت و تہذیب میں نمایاں اختلاف تھا ۔ عرب روایات کے مطابق ھر قبیلے اور ھر طبقے کا فرد جمہوریت پسند تھا ۔ جمہوریت قبائلی نظام حیات کی روح تھی ۔ خود مسلمان مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے ۔ اور مختلف معاشرت و تہذیب کے پیرو تھے ۔ ان حالات کا تقاضا تھا کہ ریاست مدینہ کا سب سے پہلا آئین جمہوری تقاضوں کے تحت تیار ھوتا ۔ آئین کا متن اس بات پر شاھد ھے کہ مہاجرین ، انصار اور یہود تینوں وفاقی یونٹوں نے اس آئین کو اپنے حق خود اختیاری کے تحت تسلیم کیا تھا ۔ آئین کے مندرجات سے یہ بھی معلوم ھوتا ھے کہ یہودیوں کے تین بڑے قبیلے ، بنو نضیر ، بنو قریظہ اور بنو قینقاع اس آئین کی تحریر تک اس وفاق میں شریک نہیں تھے ۔ اور بعد میں پوری آزادی اور مکمل حق خود ارادی کے تحت اس میں شامل ھوئے ۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ نتیجہ نکلا جاسکتا ھے کہ آنحضرت صلعم نے آئین سازی کے وقت ریاست مدینہ کی رائے عامہ کو پوری پوری اھمیت دی اور یہ قرین قیاس ھے کہ وفاق یونٹوں نے اپنے اپنے نمائندوں کے ذریعے آئین سازی کے مباحث میں پورا پورا حصہ لیا ھوگا ۔ یہی وجہ ھے کہ یہود و مشرکین نے آنحضرت صلعم کو چیف جسٹس اور کمانڈر انچیف کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ۔ ورنہ وہ لوگ آپ کی رسالت کے قائل نہ تھے ۔ اور نہ ھی حکومت مدینہ کے پاس انھیں بالجبر وفاق میں شریک کرنے کا کوئی جواز موجود تھا ۔ بعد کے واقعات نے یہ بات ثابت کردی کہ وفاق میں شریک غیر مسلم یونٹ زیادہ فائدہ میں رھے ۔ آئین میں مذھبی آزادی کے تحفظ کے تحت یہودیوں نے ریاست مدینہ میں بے جا مذھبی اختلافات کو ھوا دی اور مسلمانوں اور خصوصاً

آنحضرت صلعم کے لئے بے پناہ مشکلات پیدا کیں۔ لیکن بحیثیت آئینی سربراہ سملکت آنحضرت صلعم نے انکی مذہبی آزادی کے آئینی حق کے تحت ان سے کبھی تعرض نہیں کیا ۔ آپ نے مذہبی مباحث کا جواب ہمیشہ دلیل و برہان سے دیا ۔ لیکن جب بیرونی حملہ کے وقت انہوں نے آئین کے تحت حکومت کی مدد کرنے کی بجائے دشمن کے ساتھ سازش کی اور بعد میں اس درجہ خطرناک ہوگئے کہ ان کی موجودگی سے ریاست کے وجود و بقا کا مسئلہ پیدا ہوگیا تو آنحضرت صلعم آئین کے تحت ریاست کے تحفظ کی خاطر مجبور ہوگئے کہ انہیں اس غداری اور سازش کی سزا دیں۔ مستشرقین پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ آپ پر یہود کی جلاوطنی کا الزام لگانے سے پہلے ریاست مدینہ کے اس آئین پر ایک نظر ضرور ڈال لیں ۔

آئین* کے نفاذ کے بعد آنحضرت صلعم نے ، سوائے ان امور کے جن میں وحی کا نزول ہوتا ، تمام کے تمام معاملات مکمل جمہوری انداز میں طے کئے ، مدینے کے تمام شہری مختلف مسائل کے حل کے لئے مدینہ کی پارلیمنٹ ، مسجد نبوی میں جمع ہوتے۔ عوام کی شرکت کا یہ عالم تھا کہ منافقین مسائل پر بحث کے دوران اپنے حق اظہار رائے سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے۔ اور باوجود انکی اسلام دشمن سرگرمیوں کے آنحضرت صلعم ہمیشہ انکی رائے کا احترام فرماتے۔ جنگ احد سے پہلے میدان جنگ کے انتخاب میں سرور کائنات اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اس بات پر متفق تھے کہ جنگ مدینہ میں قلعہ بند ہوکر لڑی جائے۔

قرآن نے آئین سازی کے چند بنیادی اصول بیان کئے ہیں :

و شاورھم فی الامر (۳ : ۱۵۸) کاروبار حکومت میں مسلمانوں سے مشورہ کیجئے۔ اس میں پیش آمدہ امور میں عوام سے مشورہ کرنے کا حکم ہے۔

وامرھم شوری بینھم (۴۲ : ۳۸) مسلمانوں کا طرز حکومت یہ ہے کہ وہ اپنے معاملات باھمی مشورہ سے طے کرتے ھیں، اس میں مسلمانوں کے طریق حکومت میں تمام امور باھمی مشورے سے طے پانے کی تصدیق کی گئی ہے۔ و اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ۔ اللہ، رسول اور اپنے بر سر اقتدار لوگوں کی اطاعت کرو۔ پہلی آیت نے سربراہ مملکت کو عوام کی رائے کا پابند کیا ہے۔ دوسری آیت نے پوری وضاحت کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ مسلمانوں کا طریق حکومت جمہوری ھوتا ہے۔ تیسری آیت اس اصول کی نشاندھی کرتی ہے کہ مسلمانوں کے جمہوری طرز حکومت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے نمائندوں کی حکمرانی تسلیم کریں۔

قرآن نے آئین سازی کے جمہوری اصولوں کے محض بیان پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آمریت اور مطلق العنانی کے سدباب کے لئے تمام ممکنہ عناصر و عوامل کی نشان دھی کی ہے۔ آنحضرت صلعم اپنی اھلیت، قابلیت اور مقبولیت ھر اعتبار سے اس مقام پر تھے کہ بغیر کسی آئین کے حکومت کرتے۔ لیکن ان تمام صلاحیتوں کے باوجود قرآن نے آپ کو آئینی حکومت کے قیام کا حکم دیا۔ آمریت کے مکمل قلع قمع کے لئے قرآن نے آنحضرت کی بشری حیثیت کو بطور خاص نمایاں کیا۔ متعدد بار خود آپ کی زبانی اعلان کروایا: قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد (۱۸ : ۱۱۰) آپ یوں کہہ دیجئے کہ میں تو تم ھی جیسا بشر ھوں۔ میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود برحق ایک ھی معبود ہے۔ اسی بات کو ایک اور انداز میں ذرا وضاحت سے یوں بیان کیا: وماکان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم و النبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانین (۳ : ۷۸) کسی بشر کے لئے (شایان) نہیں کہ اللہ اسے کتاب، حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے غلام بن جاؤ بلکہ وہ تو کہے گا کہ اللہ والے بن جاؤ۔ یہاں رائےعامہ کو پس پشت ڈال کر ذاتی رائے

عوام پر مسلط کرنے کو خدا کی جگہ لینا قرار دیا گیا ہے ۔ جب اس بات کی کسی نبی کو اجازت نہیں دی گئی تو مسلمانوں میں سے کسے جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ آمر بن کر مسلمان عوام کو اپنا غلام بنائے ۔

بعض امور کے غلط طے پا جانے کی صورت میں خود آنحضرت صلعم نے اپنی حیثیت کا یوں اظہار فرمایا : انتم اعلم بامر دنیاکم : دنیوی امور کو تم لوگ مجھ سے بہتر جانتے ہو : فانی انما ظننت ظنا فلا تواخذونی بالظن : میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا میری ذاتی رائے پر مجھے مت پکڑو : انما انا بشر اذا امرتکم بشئی من دینکم فخذوا به و اذا امرتکم بشئی من رائی فانما انا بشر : میں تو ایک انسان ہی ہوں جب میں تمھیں تمھارے دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو تمھیں اسے اپنانا ہی ہوگا اور جب میں تمھیں اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں بھی انسان ہی ہوں ۔

قرآن و سنت نے آپ کی نبوی حیثیت الگ بیان کر کے ایک طرف صحابہ کرام کے لئے یہ سہولت پیدا کردی کہ وہ آپ کے ساتھ غیر الہامی امور پر پوری آزادی کے ساتھ بحث میں حصہ لے سکیں اور دوسری طرف اسلام میں آئین سازی کے اس بنیادی اصول کی وضاحت کردی کہ اسلام میں آمریت اور مطلق العنانی کی قطعاً گنجائش نہیں حتی کہ نبی اکرم صلعم غیر الہامی امور میں عوام کی رائے معلوم کرنے کے پابند تھے ۔

اسلام میں آئین سازی پر بحث کرتے ہوئے اس امر کی تحقیق ضروری ہے کہ آیا ایک وقت کے مسلمانوں کا بنایا ہوا آئین آئندہ تمام نسلوں کے لئے واجب التعمیل ہے یا ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے مقتضیات کے مطابق نئے نئے آئین بناتے رہیں گے ۔ تغیر و تبدل اور عروج و کمال کا بیان قرآن حکیم کا خاص موضوع ہے ۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم (۱۳ : ۱۱) واقعی اللہ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی

حالت کو نہیں بدل دیتے ۔ اس آیت نے اس سوال کو پوری وضاحت کے ساتھ حل کر دیا کہ جو قومیں اپنے زمانے کے مقتضیات کے مطابق اپنے آئین میں مناسب ردوبدل نہیں کرتیں اور اسے حالات حاضرہ کے قالب میں نہیں ڈھالتیں اللہ انکی صلاحیتوں میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتا ۔ فاستبقوا الخیرات (۲ : ۱۴۸) خوب سے خوب تر کی طرف سبقت کرو ، قرآن کا ایک بنیادی اصول ھے ۔ تغیر اور ''سبقت الی الخیر،، اس بات کے متقاضی ھیں کہ مختلف زمانوں کی اقوام خیر و فلاح اور ترقی و عروج کے نئے پیمانوں کے مطابق اپنے آئین میں مسلسل مناسب تبدیلیاں لاتی رھیں ۔

ھر زمانے کے مسلمان عوام کو یہ حکم ھے کہ وہ امن و خوف کے زمانے میں خیر و شر یا ترقی و تنزل کی کسی بھی خبر کی اطلاع پائیں تو وہ اسے اپنے بر سر اقتدار نمائندوں تک پہنچادیں ۔ تا کہ وہ اسکے نفع و نقصان کا صحیح اندازہ کرکے اس میں سے مفاد عامہ کے لئے نتائج مستنبط کرسکیں ۔ واذاجاءھم امر من الامن اوالخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم (۴ : ۸۳) اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ھے خواہ امن ھو یا خوف تو اسکو مشہور کر دیتے ھیں اور اگر یہ لوگ اسکو رسول کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ھیں انکے حوالے کردیتے تو اسکو وہ حضرات تو پہچان ھی لیتے جو ان میں اسکی تحقیق کرلیا کرتے ۔ ظاھر ھے کہ آج کے عوام جب کسی ایسی بات کی اطلاع پائیں گے تو یقینا وہ اپنے آج کے نمائندوں تک ھی پہنچا سکتے ھیں ۔ صدیوں پہلے کے لوگوں کو نہ موجودہ حالات درپیش تھے اور نہ موجودہ عوام کے بس کی بات ھے کہ وہ اپنے موجودہ حالات کا حل اس زمانہ کے لوگوں سے پوچھنے جائیں ۔ اس ضمن میں حضرت عمر فاروق کے اس آئینی چارٹر کی ایک دفعہ کا ذکر انتہائی مفید ھوگا جو آپ نے اپنے ایک صوبائی چیف جسٹس حضرت ابو موسیٰ

الاشعری کو ارسال کیا تھا۔ دفعہ یہ ہے : ولایمنعنک قضاء قضیته بالامس فراجعت فیه نفسک و هدیت فیه لرشدک أن ترجع عنه الی الحق فان الحق قدیم ومراجعة الحق خیر من التمادی فی الباطل : تم کل جو فیصلہ کرچکے ہو اگر آج غور و فکر سے تمھیں اسکے بارے میں حقیقت امر واضح ہوجائے تو پہلے فیصلہ کو ملتوی کرکے حقیقت کی طرف رجوع کرنے میں تمھیں کوئی فیصلہ نہ روکے اسلئے کہ حق قدیم ہے اور حق کی طرف رجوع باطل میں بھٹکتے رہنے سے بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لائحہ عمل مرتب کرتے وقت ، آراء و افکار منظم کرتے وقت اور انفرادی اور اجتماعی پالیسیاں بناتے وقت غلطی کرنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ لیکن غلطی کا احساس ہونے پر اسکی تصحیح کرنا انسانی فطرت کا دوسرا تقاضا ہے۔ یہی اصول اقوام و ملل کے آئین، قوانین اور ضوابط کی ترتیب میں کار فرما ہے۔

یہ مختصر بحث اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ ایک زمانے کے مسلمانوں کا بنایا ہوا آئین آئندہ نسلوں کے لئے واجب التعمیل نہیں ہوسکتا۔ اور ہر زمانہ کے مسلمانوں کو اپنے حالات کے مطابق قرآن و سنت کی وسیع تعلیمات میں سے اپنے حسب حال خوب سے خوب تر ہدایت کی کھوج لگانی پڑے گی۔ قرآن و سنت کی وسیع تعلیمات میں سے اپنے حالات کے مطابق ہدایت اور رہنمائی کی کھوج لگانا اسلام میں تحقیقات کہلاتا ہے۔ اگر کوئی معاشرہ پسماندہ ہے تو قرآنی تعلیمات میں اس معاشرے کیلئے تعلیمات موجود ہیں۔ اگر کوئی معاشرہ ترقی یافتہ ہے تو قرآن و سنت کی تعلیمات میں اسکے لئے بھی ہدایت موجود ہے۔ لیکن معاشرے کو اپنے حالات کے مطابق قرآن و سنت سے ہدایت اخذ کرنا خالصۃً اس معاشرے کے مسلمانوں کا کام ہے۔ عہد رسالت میں بعض مسلمانوں کی یہ خواہش تھی کہ انہیں خدا کی طرف سے جزئیات حیات پر محیط بنا بنایا ایک مکمل ضابطہ حیات مل جائے۔ وہ اس خواہش کا اظہار مختلف سوالات کی صورت میں کرتے تھے۔ چونکہ یہ بات فطری اصولوں کے

خلاف تھی اسلئے قرآن نے انھیں ایسا کرنے سے منع کردیا : یا ایھا الذین آمنوا لاتسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسئوکم وان تسئلوا عنھا حین ینزل القرآن تبدلکم و عفا اللہ عنھا واللہ غفور حلیم (٥ : ١٠١) ایمان والو ! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاھر کردی جائیں تو تمھاری ناگواری کا سبب بنیں اور اگر تم زمانہ نزول قرآن میں ان باتوں کو پوچھو تو تم پر ظاھر کردی جائیں سوالات گذشتہ اللہ نے معاف کردئے اور اللہ بڑا مغفرت والا بڑا حلم والا ھے ۔ اس زبردست تنبیہ کا مقصد یہ تھا کہ مختلف طبقات و ممالک کے معاشرتی اور سیاسی امور میں مسلسل تغیر و تبدل ھوتا رھتا ھے ۔ اسلئے ھر زمانے اور ھر حالت کیلئے ایک ھی وقت میں تمام قوانین دینا محال ھے ۔ ایسے امور کو ھر زمانے کے مسلمانوں کی قوت اجتھاد پر چھوڑ دیاگیا ھے ۔

انقطاع وحی کے بعد آئین سازی کا کام پوری طرح امت کا فریضہ قرار پایا ۔ مقاصد اسلام کی جامعیت اور ھمہ گیری اس بات کی متقاضی تھی کہ اسلام کے بنیادی اصولوں میں ھر زمانے کے حالات کیلئے پنھاں نئی سے نئی اور بھتر سے بھتر رھنمائی کی کھوج لگائی جاتی رھے ۔ تحقیق و اجتھاد کی قوتوں کو عمل میں لاکر ھر مشکل کا حل تلاش کیا جائے ۔ اسلام میں تحقیقات کے خلاف فضا اس مفروضہ پر مبنی ھے کہ تحقیقات کرنے والے نعوذ باللہ اسلام کو ناقص سمجھتے ھیں ۔ حالانکہ حقیقت یہ ھے کہ اسلامی تحقیقات اس اصول پر مبنی ھیں کہ وہ قیامت تک کے لئے تمام ممالک اور معاشروں پر محیط ھیں ۔ لیکن اتنی کامل و وسیع تعلیمات میں سے اپنے ملک و معاشرے کیلئے ھدایت حاصل کرنا تعلیمات میں نقص کی بجائے انکی وسعت و جامعیت کا اقرار کرنا ھے ۔ اتنا عظیم کام کسی فرد واحد یا کسی خاص مذھبی جماعت یا طبقے کو ھرگز سونپا نھیں جا سکتا تھا ۔ یھی وجہ ھے کہ اسلام نے اس عظیم کام کی ذمہ‌داری پوری امت کے سپرد کی ھے ۔ خطا و ضلالت سے کوئی فرد یا جماعت یا طبقہ محفوظ نھیں ۔ البتہ پوری امت ضلالت پر جمع نھیں ھوسکتی ۔

اسلام کے اس اصول کی بنیاد پر آئین سازی کا کام پوری امت کا حق تسلیم کیا گیا ھے ۔ اس حدیث کا آخری جملہ اس سلسلے میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ھے ۔ فاذا رایتم اختلافا فعلیکم بالسواد الاعظم (ابن ماجه ، فتن ۸) اور جب تم دیکھو که اختلاف بنیادی نوعیت کا ھے تو مسئله زیر بحث کو رائے عامه کے سپرد کردو اور عوام کے فیصلے کو قطعی سمجھو ۔ اس حدیث میں سب سے بڑی قابل غور بات یه ھے که اختلاف کی صورت میں معاملے کو کسی ادارے یا طبقه یا جماعت یا فرد کے سپرد کرنے کا حکم نہیں بلکه عوام کو معیار صحت قرار دیا گیا ھے ۔ آنحضرت صلعم نے یه اصول قرآن حکیم کی اس هدایت سے اخذ فرمایا تھا : ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا (۴ : ۱۱۴) اور جو شخص رسول کی مخالفت کریگا اسکے بعد که اس پر امر حق ظاھر ھوچکا ، اور مسلمانوں کا رسته چھوڑ کر دوسرا رسته اختیار کرے گا تو ھم اسکو جو کچھ وہ کرتا ھے کرنے دینگے اور اسکو جهنم میں داخل کرینگے اور وہ بری جگه ھے جانے کی ۔

اس آیت میں ” اتباع غیر سبیل المؤمنین ،، کو جهنم میں جانے کے مترادف قرار دیا گیا ھے ۔ گویا مسلمان عوام جس رائے پر ھوں گے وہ انسانیت کے خلاف نہیں ھوسکتی ۔ اور جو شخص رائے عامه کو پس پشت ڈالے اور انکی مرضی کے خلاف آمرانه ذھنیت کے مطابق حکمرانی کرے اسے قرآن نے جهنم کی طرف جانے کی وعید سنائی ھے ۔ آمریت ناکامی ، نامرادی اور تباھی کا راسته ھے ، جبکه مسلمان عوام کی رائے کامیابی ، کامرانی اور فلاح و ترقی کی راہ ھے ۔ تاریخ آئین سازی میں ریفرینڈم کے اصول پر عمل اسلام کی ایجاد ھے گو آجکل اس پر عمل کرتے ھوئے مسلمان بھی اسے مغرب کی ایجاد خیال کرتے ھیں ۔

آئین سازی کا حق عوام کو تفویض کرنا قرآن و سنت کے درج ذیل پانچ اصولوں کا خلاصه ھے :-

۱ - قرآن و اسوہ رسول صلعم صرف آئینی اور جمہوری طرز حکومت کی تائید کرتے ہیں -

۲ - آنحضرت صلعم کو غیر الہامی امور میں ریاست مدینہ کے شہریوں کی رائے کا پابند بنایا گیا ہے -

۳ - غیر الہامی امور کو طے کرنے میں آنحضرت صلعم نے عملاً ریاست مدینہ کے شہریوں کو شریک مشورہ کیا -

۴ - سب سے پہلے آئین کی تشکیل میں آنحضرت نے تمام وفاق یونٹوں کو نمائندگی دی اور ان کی باھمی رضامندی سے آئین سازی کا کام انجام پایا -

۵ - آئین سازی کو ہر زمانے کے مسلمانوں کا حق قرار دیا -

ان تعلیمات کی روشنی میں اسلام نے آمریت اور مطلق العنانی کا مکمل سدباب کردیا - اسلام میں کسی فرد واحد یا کسی مخصوص طبقے کی حکمرانی کا اگر کوئی جواز ہوتا تو اسکے سب سے زیادہ مستحق آنحضرت صلعم تھے - لیکن اسلام نے خود نبی آخر الزماں سید الرسل اور خاتم الانبیاء کو آئین و جمہوریت کا پابند بنا دیا - ایسی صورت میں پوری امت میں کون ہوگا جو اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈالکر آمریت کو اپنائیگا - مارشل لاء آمریت کی قبیح ترین صورت ہے اسلئے اسلام سے اسکا جواز نکالنا بیحد مشکل کام ہے -

اس وقت یہ مسئلہ درپیش ہے کہ موجودہ عبوری آئین کو مستقل آئین میں کیسے بدلا جائے - عبوری آئین کے باب دوم دفعہ ۲۹ کے تحت اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ قانون سازی قرآن و سنت کی تعلیمات و ضروریات کے خلاف نہیں ہوگی اور تمام رائج الوقت قوانین قرآن و سنت کے مطابق بنائے جائیں گے - یہ ضمانت مسلمان عوام کیلئے حوصلہ افزا ہے - لیکن اس دفعہ کا تشریحی نوٹ مسلمانوں میں مستقل تفرقہ بازی قائم رکھنے کا سبب بن سکتا ہے - اس تشریح کے مطابق ہر فرد قرآن و سنت کی اس تعبیر کو ماننے پر مجبور

ہے جو تعبیر کہ اسکا متعلقہ فرقہ کرے۔ پھر اس تشریح سے خود اصول کی نفی ہوتی ہے ۔ اصل اصول کا ایک حصہ یہ ہے کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنے گا ۔ جبکہ تشریح کے مطابق اسکا مطلب یہ ہے کہ شخصی قوانین میں ملک کا ہر فرقہ اپنے قدیم فقہاء کی آراء پر عمل پیرا رہے گا ۔ اصول کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ رائج الوقت تمام قوانین قرآن و سنت کے مطابق ڈھالے جائیں گے ، جبکہ تشریح کے مطابق اسکا مطلب یہ ہے کہ رائج الوقت عائلی قوانین ہر فرقے پر چھوڑ دیئے جائیں گے ، تاکہ وہ انہیں اپنی تعبیر کے مطابق ڈھال لے ۔ ایسی صورت میں ملکی مجالس قانون ساز اپنے طور پر نہ تو قرآن و سنت کے مطابق کوئی قانون بنا سکیں گی اور نہ موجودہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھال سکیں گی ۔ مجلس قانون ساز کی خود مختاری کے تحفظ اور مسلمان عوام میں مستقل اتحاد و تنظیم کی خاطر اس تشریحی نوٹ کو حذف کردینا بہتر ہوگا ۔

آئین میں اس بات کی وضاحت اور ضمانت ضروری ہے کہ ملک میں ہرقسم کی آئین سازی یا قانون سازی کا واحد ذمے دار ادارہ مجلس آئین و قانون ساز ہے ، اسکا بنایا ہوا قانون ہی قانون ماناجائیگا ۔ ایسے قانون پر اگر کسی حیثیت سے کسی فرد یا جماعت کو اختلاف ہو تو اسکا طریق کار یہ ہو کہ وہ اپنے موقف کی صداقت اور افادیت پر عقلی و فکری دلائل پیش کرے ۔ دور جدید کے تمام ذرائع ابلاغ سے کام لے کر اپنے نقطہ نظر کو عوام تک پہنچائے اور ان کی اکثریت کو اپنے حق میں بدل کر ان کے نمائندے کی حیثیت سے جو قانون چاہے بنائے ۔ لیکن عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کوئی صاحب کسی فن میں مہارت کا دعوی کر کے محض مہارت فن کے استحقاق کی بنیاد پر معروف طریق قانون سازی کو پس پشت ڈال دیں اور قانون بن جانے کے بعد اسکی حلت و حرمت پر بحث چھیڑ دیں۔ ان دونوں عہدوں میں قانون سازی کا کام اس وقت کے معروف طریق قانون سازی کے مطابق انجام پاتا تھا ۔ اختلاف کی صورت میں رائے عامہ کو اپنے حق میں بدلنے کی مکمل

آزادی تھی ۔ لیکن وھی رائے قانون کی شکل اختیار کرتی تھی جو جمہور کی رائے ھوتی تھی ۔ آنحضرت صلعم اس اصول پر سختی سے کاربند تھے ۔ کئی موقعوں پر آپ نے اپنے ذاتی اختلاف کے باوجود کثرت رائے پر عمل فرمایا ۔ جنگ احد کے موقعہ پر آپکی رائے تھی کہ جنگ مدینہ میں قلعہ بند ھوکر لڑی جائے لیکن اکثریت کی رائے باھر نکل کر لڑنے کے حق میں تھی چنانچہ اسی کے مطابق فیصلہ ھوا ۔ جنگ خندق کے موقع پر آپ چاھتے تھے کہ کھجوروں کی پیداوار کا کچھ حصہ بعض عرب قبائل کو دیکر انھیں لشکر قریش سے کاٹ لیا جائے لیکن انصار نے اسکی مخالفت کی اور آپ نے اپنی تجویز واپس لےلی ۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر رض مرتدین اور مانعین زکواۃ کے خلاف فوجی قوت استعمال کرنا چاھتے تھے ۔ بشمول حضرت عمر مدینے کی اکثریت اسکے حق میں نہ تھی ۔ لیکن خلیفہ راشد نے اپنی رائے پر اسوقت تک عمل نہیں کیا جب تک کہ قوی دلائل سے مخالفین کو قائل نہ کرلیا ۔ حضرت عمر نے جمع و تدوین قرآن کی رائے پیش کی ۔ خلیفہ وقت حضرت ابوبکر اسکے حق میں نہ تھے ، کافی بحث کے بعد حضرت ابوبکر کو اپنے مخالفین کے دلائل کے مقابلے میں اپنا موقف بدلنا پڑا اور جمع و تدوین قرآن کا فیصلہ ھوا ۔ سواد عراق کی فتح پر امرائے فوج اور خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق کے درمیان اختلاف پیدا ھو گیا ۔ امرائے فوج زمین تقسیم کرنا چاھتے تھے ، جبکہ امیرالمومنین اسے اسٹیٹ کنٹرول میں لینا چاھتے تھے ، مہاجرین و انصار کے کبھی جدا جدا اور کبھی ایک ساتھ اجلاس بلائے گئے ۔ عوام و خواص سب نے اس میں بھرپور حصہ لیا ۔ کئی روز تک بحث جاری رھی ۔ حضرت عمر کے دلائل اتنے قوی تھے کہ مخالفین سے انکا جواب نہ بن پڑا اور آخرکار کثرت رائے سے زمین کو اسٹیٹ کنٹرول میں لینے کا قانون نافذ ھوگیا ۔ یہ چند مثالیں اس بات کے ثبوت میں پیش کی گئیں کہ اسلام میں شخصیت پرستی کی بجائے اصول پرستی آئین و قانون سازی کی بنیاد ہے ۔ کوئی شخص کسی فن میں کتنا بڑا ماھر کیوں نہ ھو

جب تک وہ اپنی بات مدلل طور پر پیش کرکے رائے عامہ کو اپنا ہم خیال نہیں بنا لیتا اس کی رائے قانونی شکل اختیار نہیں کرسکتی۔ کسی ملک کا آئین و قانون کسی فرد یا جماعت یا طبقے کی اجارہ‌داری نہیں ہوتا اسکا تعلق چونکہ براہ‌راست عوام سے ہوتا ہے اور وہی اسکی مضرت‌رسانی یا نفع بخشی سے متاثر ہوتے ہیں اسلئے انہیں قائل کئے بغیر قانون سازی کرنا قرآن و سنت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اور جو افراد اپنے موقف کو مدلل طور پر پیش کرکے رائے عامہ کو اپنے حق میں تبدیل کرنے کی قوت سے عاری ہونے کے باوجود چاہتے ہیں کہ قانون سازی ان کی مرضی کے مطابق ہو وہ دراصل شخصیت پرستی کے رسیا ہیں۔ حالانکہ اسلام میں شخصیت پرستی بدترین قسم کا شرک ہے۔

ہمارا ملک اس وقت دوہری آئین سازی اور قانون سازی کے مرض میں مبتلا ہے۔ ایک طرف قومی و صوبائی مجالس قانون ساز یہ کام انجام دے رہی ہیں۔ اور دوسری طرف ''علمائی مجالس قانون ساز،، اس کام میں مصروف ہیں۔ قومی و صوبائی اسمبلیاں عوامی نمائندگی کے اصول پر عمل پیرا ہیں۔ جب کہ علمائی اسمبلیاں الہٰی نمائندگی کے اصول پر مصروف کار ہیں۔ دونوں مجالس قانون ساز اپنے اپنے دائرہ کار میں خود مختار ہیں۔ اول‌الذکر اپنے آئین و قوانین کے خلاف عمل کو غداری گردانتی ہے۔ مؤخرالذکر اول‌الذکر کے بعض قوانین پر عمل کو اللہ سے غداری جانتی ہے۔ پاکستانی عوام کے حوصلے اور قوت برداشت کی داد دیجئے کہ وہ اب تک قومی و علمائی مجالس قانون ساز کی دوہری قانون سازی کے سامنے سرتسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ذہنی انتشار کا شکار بھی ہیں۔ یہ بات انکی سمجھ سے بالا ہے کہ ایک خدا ایک قرآن اور ایک رسول کے ماننے والی قوم دوہری قانون سازی کے مرض میں کیسے مبتلا ہوگئی؟ عہد رسالت اور عہد ابوبکر و عمر میں دوہری قانون سازی کا تصور ناپید تھا۔ آئین سازی کے اس دور میں ہمارے آئین

سازوں نے اگر اس تباہ کن صورت حال کی طرف فوری توجہ نہ دی اور اسکا کوئی موثر حل تلاش نہ کیا تو یقین جانئیے عوام اب دوہری قانون سازی کے ساتھ دوہری وفاداری دیر تک نباہ نہیں سکیں گے ۔ اور اگر اس سے نجات پانے کیلئے عوام خود ھی کسی راہ پر چل نکلے تو انہیں انتشار پھیلانے اور بغاوت کرنے کا مورد الزام نہ ٹھہرایا جائے ۔ اس سلسلے میں ھم چند تجاویز پیش کرتے ھیں :

۱ ۔ آئین میں کسی دفعہ کے تحت ملک میں دوھری آئین و قانون سازی فوری طور پر ختم کرکے نظامِ قانون سازی میں وحدت پیدا کی جائے ۔

۲ ۔ ملک کی تقریبا تمام مذھبی اور سیاسی جماعتیں قومی و صوبائی مجالس قانون ساز کو آئینی طور پر تسلیم کرچکی ھیں ، اس اعتراف کے پیش نظر انھوں نے انتخابات میں حصہ لیا ۔ اور اس اعتراف کی وجہ سے وہ مجالس قانون ساز کے منتخب نمائندوں پر جلسوں، جلوسوں، اخبارات اور دوسرے ابلاغ عامہ کے ذرائع سے مسلسل اثرانداز ھونیکی کوشش کرتی ھیں کہ قانون سازی میں انکے موقف کو پیش نظر رکھا جائے ۔ ایسی صورت میں کونسی چیز مانع ھے کہ آئین میں یہ دفعہ وضاحت کے ساتھ نہ رکھدی جائے کہ متفقہ قومی و صوبائی مجالس قانون ساز کے علاوہ قانون سازی کا ھر نظام ختم کیا جاتا ھے ۔

۳ ۔ عوام کو دور جدید میں قومی و صوبائی مجالس قانون ساز کی آئینی اور قانونی حیثیت، ضرورت اور اھمیت کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات بہم پہنچائی جائیں ۔ اور دوھری قانون سازی کے نقصانات اور اس کے ھولناک نتائج سے انھیں روشناس کرایا جائے ۔

۴ ۔ اس فکر کو عام کیا جائے کہ بیسویں صدی عیسوی کے آخری مرحلے میں قانون سازی بہر حال کسی نظم اور اجتماعی نظام کے تحت ھی

عمل میں آئے گی ۔ انفرادی ، جماعتی اور طبقاتی انداز میں قانون سازی کا زمانہ گزر چکا ۔

۵ ۔ ملک کا کوئی فرد یا جماعت یا طبقہ جو اپنے آپ کو آئین سازی یا قانون سازی کا سب سے زیادہ اہل سمجھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ مسلسل محنت و مشقت اور جدوجہد سے عوام کو اپنا ہم خیال بنائے ۔ انتخاب کے ذریعہ منتخب ہوکر انکی نمائندگی کرے ۔ اپنی قابلیت اور عوامی نمائندگی کی دوہری قوت سے جس قسم کی چاہے قانون سازی کرے ۔

۶ ۔ جمہوریت کے اس دور میں اگر کوئی شخص یا جماعت یا طبقہ ذرائع نشر و اشاعت کی جدید سہولتوں کی فراوانی کے با وصف اپنے موقف کو رائے عامہ میں بدلنے سے قاصر ہے تو اسے ملکی آئین یا قانون سازی میں کسی ذاتی استحقاق کی توقع نہیں رکھنی چاہئے ۔ اور اس امید میں آئین سازی کے کام میں حائل ہونے کی بجائے خود اپنی کوتاہیوں کا جائزہ لینا چاہئے اور انہیں دور کرکے آئندہ انتخابات کے لئے تیار ہونا چاہئے ۔

۷ ۔ اپنا موقف عام کرنے کی مکمل آزادی کے باوجود اگر کوئی صاحب اپنی کسی ذاتی نااہلیت کی بنا پر نہ تو جمہوری انداز میں اپنی رائے کو رائے عامہ میں بدلتے ہیں اور نہ ہی انتخابات کے وقت ان میں حصہ لیتے ہیں ، لیکن منتخب نمائندوں پر تخریبی تنقید کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں ، ایسے افراد کے ساتھ خود عوام اپنی وفاداری کے بارے میں نظرثانی کریں ۔ وہ سوچیں کہ یہ حضرات ہر وقت اپنی قابلیت اور اہلیت کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں لیکن اپنے آپ کو انتخابات کے لئے پیش نہیں کرتے ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو معاشرے کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اپنا روایتی مقام بنائے ہوئے ہیں ۔ لیکن اپنی کمزوریوں سے پوری طرح آگاہ ہونے کی وجہ سے انتخابات میں اپنا پول عوام کے سامنے کھولنا پسند نہیں کرتے ۔ اسلئے عوام کو چاہئے کہ وہ انہیں انتخابات میں حصہ

لینے پر مجبور کریں یا ان سے درخواست کریں کہ وہ انھیں انتشار ذھنی میں مبتلا کرنا چھوڑ دیں ۔

۸ ۔ عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ کے نظام قانون سازی کو عام کیا جائے تاکہ عوام کو معلوم ھو سکے کہ خود آنحضرت صلعم غیر الہامی امور میں اپنی رائے کو رائے عامہ میں بدلنے پر مجبور تھے ۔ اور اگر آپ دوسروں کی دلیل میں زیادہ وزن دیکھتے تو خود انکے ساتھ ھوجاتے ۔ اگر نبی آخرالزماں اور خلفائے راشدین اپنی رائے کو عوام سے منوائے بغیر قانون نہیں بناتے تھے ۔ تو آپ کے بعد یہ حق کسے پہنچتا ھے کہ وہ محض ذاتی استحقاق کی بنا پر گھر بیٹھے بٹھائے آئین سازی اور قانون سازی کو اپنے حق میں تبدیل کرنے کے خواب دیکھے ۔ کیا ھم عوامی حکومت سے یہ امید کرسکتے ھیں کہ وہ عوام کو دوھری قانون سازی سے نجات دلائے اور قانون سازی کے نظام میں وحدت پیدا کرکے عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ کی سنت پر عمل کرنے کا موقع فراہم کرے ۔